جناب سید غلام محی الدین صاحب لکھنؤ

روس میں اسلامی بیداری کی ایک لہر

عوامل و محرکات اور پس منظر کا ایک جائزہ

آذربائیجان اور روس میں مسلمانوں کی حالیہ اسلامی بیداری اور تحریکِ حریت وہاں کے اہلِ اسلام کی اُن مسلسل مساعی کا نتیجہ ہے جن کو روزِ اوّل سے ہدف بنا کر مسلمانوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ اہلِ اسلام کے مذہبی رجحانات، دینی تصلب اور اسلامی انقلاب کے عزائم کو مغربی دنیا "اسلام کی خوفناک پیشقدمی" سے تعبیر کر رہی ہے۔ روسی نظام اور کمیونزم کے ستائے ہوئے معاشروں میں اسلامی بیداری کی تازہ ترین لہر جہاں اسلام کی صداقت کی دلیل ہے وہاں عالمی معاشرے میں اسلام کے درخشاں مستقبل کی نوید بھی ہے۔ یہ صورتحال کوئی اچانک رونما نہیں ہوئی بلکہ اس کے طویل پس منظر میں مسلمانوں کے مساعی خود اسلام کی حقانیت و زندگی اور اس سلسلہ کے اسباب و محرکات پیدا کیے گئے جس سے اسلامی بیداری کی تحریک کو فروغ حاصل ہوا۔ جناب غلام محی الدین صاحب ذیل کے مقالہ میں اس موضوع سے متعلق بحث کرتے اور اس سلسلہ کے پس منظر، عوامل اور محرکات کی نشاندہی کرتے ہیں ——— (عبدالقیوم حقانی)

سوویت روس کی حکومت کا ڈھانچہ زار کی حکومت سے کچھ مختلف نہیں رہا ہے۔ کلیت پسندی (Totalitarianism) پر اس کی بنیادیں قائم ہیں، بلکہ اکثر مفکرین کا یہ خیال ہے کہ اگر زار کی حکومت کے زمانہ میں روسی عوام ایک جابرانہ کلیت پسند حکومت کے عادی نہ ہو چکے ہوتے تو ان کے لیے اتنی مدت تک موجودہ روسی اشتراکی نظام کے تحت زندگی گزارنا ممکن نہ تھا۔ بہر حال انقلاب کے زمانہ میں روسی سامراج پسندی نے اپنا چولا بدل لیا تھا لیکن نظامِ حکومت جوں کا توں برقرار رہا۔ پھر بھی دنیا کے دوسرے حصوں میں مفتوحہ عوام نے نوآبادیاتی حکومتوں کا جوا اُتار کر پھینک دیا ہے، کہیں پُرامن جدوجہد کے ذریعہ

اور کہیں جنگ و جدال کے ذریعہ. خاص طور پر عالم اسلام میں نو آبادیاتی حکومتوں کے خلاف سب سے زیادہ بیزاری کا اظہار کیا ہے لیکن وسط ایشیا کے مسلم علاقے اب تک روس کے زیر نگیں ہیں حالانکہ ایرانی اور روسی آذر بائیجان میں کوئی فرق نہیں ہے، نہ لسانی، نہ مذہبی اور نہ نسلی۔ پھر روسی آذر بائجان میں ویسی بیزاری کیوں نہیں پائی جاتی جیسی ایک زمانہ میں تبریز میں امریکی فوجی مشیروں کی موجودگی سے پیدا ہو گئی تھی۔ وہاں کوئی سرفروش قائد کیوں نہیں پیدا ہوا ؟

اس سوال کا جواب مختلف انداز میں دیا گیا ہے۔ پہلا جواب تو یہ ہے کہ روس کے ماتحت مسلم علاقوں میں کافی بے چینی پائی جاتی رہی، لیکن اس کی خبریں ہم تک نہیں پہنچتی تھیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ روس کے آہنی پردہ کے اندر کی خبریں مشکل ہی سے ملتی تھیں، لیکن کسی شدید بے چینی کو چھپانا روسیوں کے لیے بھی ممکن نہیں تھا۔ روس کی سرکاری مطبوعات سے ان بے چینیوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر مذہب کی بیخ کنی کے لیے کیے جانے والے اقدامات سے ان کا پتہ چلتا ہے۔ اسلامیات کے فرانسیسی ماہر الگزنڈر بننگسن (ALEXANDER BENNIGSEN) کا کہنا ہے کہ روس میں اسلام کے احیاء کی تحریکیں مختلف شکلوں میں چل رہی ہیں۔ ان تحریکوں کے قائد وہ سرکاری علماء نہیں ہیں جن کو مختلف مسلم علاقوں کی جمہوریتوں میں سرکاری سرپرستی دے کر حکومت کی موافقت میں بیانات دلوائے جاتے ہیں بلکہ یہ تحریک ان صوفی سلسلوں کے ذریعہ چلائی جا رہی ہے جو اشتراکیت اور روس کی بالادستی کے سخت مخالف ہیں۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں پچھلے پندرہ برسوں میں ان صوفی سلسلوں کے ذریعہ کی جانے والی کارروائیوں کی شہادت روس کے سرکاری مطبوعات اور اخباروں کی مدد سے پیش کی ہے لیکن یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ بننگسن کے ذریعہ پیش کردہ شہادت زیادہ تر کوہ قاف کے شمالی پہاڑی علاقوں سے متعلق ہے جہاں کی کثیر آبادی ابھی تک غیر ترقی یافتہ ہے۔ ان شہادتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اوقات یہ صوفی حلقے تشدد کا راستہ بھی اختیار کر لیتے ہیں لیکن اس سے روس کے دوسرے مسلم علاقوں کی بیداری پر کافی روشنی نہیں پڑتی۔

اکثر اوقات بعض واقعات سے بھی پس پردہ بے چینی کے اثرات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۴ دسمبر ۱۹۸۰ء کو وسط ایشیا میں خرگیز سوویت ری پبلک کے وزیراعظم کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ایک ماہ تک ماسکو کی سپریم سویٹ میں اس بات پر بحث چلتی رہی کہ چین اور افغانستان سے

ملحق روسی علاقوں میں امن و امان کس طرح برقرار رکھا جاسکتا ہے تاکہ دوبارہ اس قسم کے جرائم نہ ہوسکیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ قتل ذاتی دشمنی کا نتیجہ تھا یا اس میں حکومت کے مخالف عناصر کا ہاتھ تھا لیکن سپریم سوویٹ کی پوری بحث میں اسلام پسند عناصر کی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا تھا۔

اس سوال کا ایک دوسرا جواب یہ ہے کہ وسط ایشیائی باشندوں کو اس کا بخوبی احساس ہے کہ ان کے حالات دوسرے سامراجی ملکوں، جیسے برطانیہ، فرانس وغیرہ کے مقبوضات سے مختلف ہیں۔ روس ایک عالمی قوت بن چکا ہے اور دوسرے نوآبادیاتی ممالک کے خلاف ان کی سرحدیں روس سے ملی ہوئی ہیں، روس کی کثیر فوج ان کے ممالک میں موجود ہے جسے وہ کسی خطرہ کے وقت استعمال کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرے گا۔ انھیں یہ بھی معلوم ہے، اُن کی جمہوریتوں کو روسی وفاق سے الگ ہونے کی اجازت محض کاغذی ہے اور ان ممالک کے کلیدی عہدوں پر روسیوں کے قبضے کی وجہ سے روس کے خلاف کوئی تحریک کامیاب نہیں ہوسکتی لہذا جب تک حالات میں کوئی تبدیلی نہ ہو آزادی کی تحریک سے کوئی مفید نتیجہ برآمد ہونے کی امید نہیں کی جاسکتی۔ اس کا اظہار بھی حکومت کی جانب سے وقتاً فوقتاً کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۸۰ء میں مرکزی حکومت نے ٹیلی ویژن، اخبارات، افسانوں کے ذریعہ عوام کو لٹیروں (مسلم علاقے کے اولین حریت پسند جنھیں روسیوں نے لٹیروں کا خطاب دیا تھا) کے خلاف ہوشیار رہنے کی تلقین شروع کی تھی، حالانکہ پچھلے چالیس برسوں سے اس موضوع پر کچھ کہنا یا لکھنا ممنوع تھا۔ اس حالیہ مہم میں اس بات پر زور دیا گیا کہ یہ لٹیرے غیرملکی سامراجی قوتوں کی شہ پر مُلّا اور صوفیوں کے بھیس میں کام کر رہے ہیں۔ روسی خفیہ پولیس کے اولین سربراہ چیکا (CHEKA) جس نے روسیوں کے خلاف جنگ کرنے والوں کو زیر کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا، ہیرو بنا کر پیش کیا گیا اور یہ واضح کیا گیا کہ روس ان طاقتوں کی سرکوبی ایک بار کرچکا ہے اور اگر ضرورت ہوئی تو دوبارہ انھیں کچلنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گا۔

مذکورہ بالا سوالات کے سلسلہ میں تیسرا نظریہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ وسط ایشیا کے مسلمانوں کی ذہنی تربیت اس طور سے کردی گئی ہے کہ وہ اب اپنے قومی شعور سے بے بہرہ ہوچکے ہیں، لہذا اب ان میں اپنی الگ شخصیت کے اظہار کا جذبہ باقی نہیں رہا ہے۔ اشتراکی حکومت کے تحت ان کی دو نسلیں گزر چکی ہیں، جس کے دوران برابر یہ کوشش کی جاتی رہی ہے کہ ان میں اشتراکیت کے علاوہ اور کسی شے سے دلچسپی باقی نہ رہے۔ ۱۹۲۰ء میں مصطفےٰ کمال کی پیروی کرتے ہوئے روسی حکومت نے ترک زبانوں کے

بیے لیٹن رسم الخط نافذ کر دیا۔ ۱۹۲۲ء میں لیٹن رسم الخط بدل کر روسی رسم الخط جاری کر دیا گیا تاکہ ان زبانوں کا کوئی رابطہ ترکی کی موجودہ زبان سے بھی باقی نہ رہے۔ ۱۹۲۸ء میں شرعی عدالتوں کا قیام غیر قانونی قرار دے دیا گیا اور تمام مذہبی ادارے بند کر دیے گئے۔ ۱۹۳۰ء میں اوقاف ضبط کر لیے گئے، جس کے بعد مدرسے اور دوسرے مذہبی اداروں کا قائم رکھنا ناممکن ہو گیا۔ اس کے بعد اسلام کی بیخ کنی کی کوششیں تیز تر کر دی گئیں، زکوٰۃ کی وصولی پر پابندی لگا دی گئی، حج بند کر دیا گیا، اور رمضان میں روزہ رکھنے کی حوصلہ شکنی کی جانے لگی، مسجدوں کو کلب اور سینما گھروں میں تبدیل کر دیا گیا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران اس پالیسی میں قدرے تبدیلی آئی کیونکہ جنگ میں مسلمانوں کی حمایت مقصود تھی لیکن خروشیف (KHRUSHCHEV) کے زمانہ میں پھر اسلامی تعلیمات کی حوصلہ شکنی کا دور شروع ہو گیا۔ بہرحال ۱۹۶۰ء کے بعد روس نے اسلامی دنیا سے اپنے تعلقات پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت محسوس کی اور اس کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ شروع کیا گیا کہ اسلام ابھی تک روس میں باقی ہے اور مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے۔ اس پالیسی کے نتیجہ میں اسلام دشمنی میں کچھ کمی واقع ہوئی، لیکن اس وقت بھی روس میں مسجدوں کی کل تعداد چند سو سے زائد نہیں ہے، جب کہ ۱۹۱۷ء میں تیس ہزار مسجدیں موجود تھیں۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ۱۹۱۷ء میں مسلمانوں کی کل تعداد ایک کروڑ اسی لاکھ تھی اور اس وقت یہ تعداد ساڑھے چار کروڑ ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ مسلم ممالک سے روس کے بڑھتے ہوئے تعلقات کے باوجود ان کے لیے اسلامی شعار اختیار کرنا آسان نہیں ہے۔

سوویت روس نے وسط ایشیا کے مسلم عوام کی زندگی کو اشتراکی نظریات کے ڈھانچہ میں ڈھالنے کے ساتھ ان میں اخوت اسلامی اور ترکی قومیت کے جذبات کو کچلنے کے لیے بھی اقدامات کیے ہیں۔ اس کے لیے دو طریقے استعمال کیے گئے ہیں۔ ابتدا میں ایسے جدیدیت پسند لوگوں کی خدمات حاصل کی گئیں جو زار کی روسی حکومت سے نالاں تھے لیکن عوام کو ترقی کے نام پر جدید نظریات اور افکار قبول کرنے کی دعوت دے رہے تھے۔ اس میں انھیں دریائے وانگا کے ساحل پر واقع قازان کے علاقہ میں خصوصیت سے کامیابی ہوئی۔ یہ ترقی پسند قومی آزادی کے نام پر اشتراکیت سے تعاون کرنے پر راضی ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد روسیوں نے ان ترقی پسند قائدین کو مختلف الزامات میں رفتہ رفتہ راستہ سے ہٹانا شروع کیا اور ترک

قومیت کے بجائے علاقائی نسلی اور لسانی تفریق کو ہوا دینا شروع کر دیا۔ دریائے والگا کے کنارے رہنے والے تاتاریوں اور ان کے قریبی علاقہ میں رہنے والے بشکیریوں (BASHKIRS) میں قریبی تعلقات ہی نہیں بلکہ ازدواجی تعلقات بھی تھے مگر ان دونوں کو الگ الگ صوبائی جمہوریہ کا درجہ دے دیا گیا جس وقت بشکیر جمہوریہ کا قیام عمل میں آیا، اس وقت ان کے علاقہ میں ان کی آبادی ۲۶ فیصد سے زائد نہیں تھی اور بیشتر سرکاری عہدوں پر تاتاری اور روسی فائز تھے۔ بشکیر زبان کا کوئی الگ رسم الخط بھی نہیں تھا بلکہ اسے تاتاری ترکوں کی زبان کی ایک مقامی بولی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ان میں سے کوئی چیز ان میں تفریق پیدا کرنے میں مانع نہیں سمجھی گئی۔

جنوب میں آذربائیجان اور وسط ایشیا کے مسلمانوں کو بھی مختلف صوبائی جمہوریتوں کے ذریعہ تقسیم کر دیا گیا۔ وسط ایشیا کے صحرائی علاقہ کو قزاقستان اور اس سے ملحق پہاڑی علاقہ کو خرگیز کا نام دے کر دو جمہوریتیں بنا دی گئیں حالانکہ خرگیز اور قزاقستان کی زبان ایک ہی ہے۔ ۱۹۲۲ء میں خرگیز کی مقامی بولی کو ایک الگ زبان تسلیم کر لیا گیا۔

ترکستان کے علاقہ کو جو بحیرہ کیسپین سے چین تک پھیلا ہوا ہے، چار قومیتوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس علاقہ میں تاجک فارسی بولتے تھے لیکن دوسرے تین علاقوں یعنی ترکمانیہ، ازبک اور کرپالک میں ترکی زبان بولی جاتی تھی، جن کی مقامی بولیوں میں معمولی اختلافات تھے۔ ۱۹۳۰ء میں کرپالک کے باشندوں کی زبان کو ترکی سے الگ تسلیم کر لیا گیا، حالانکہ ۱۹۳۹ء میں رائے شماری کے موقع پر صرف ۳۹ فیصد لوگوں نے اسے اپنی زبان بتلایا۔ اولاً ان سبھی زبانوں کے لیے لیٹن رسم الخط رائج کیا گیا لیکن بعد میں اسے بدل کر روسی رسم الخط نافذ کر دیا گیا۔

ترکستان کے تعلیم یافتہ طبقہ نے اس علاقہ کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں بانٹنے کی مخالفت کی۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ان سبھی لوگوں کی زبان چغتائی ترکی ہے جن کی مقامی بولیوں میں کوئی قابلِ ذکر فرق نہیں ہے، لیکن روسیوں نے اسے ترکستان کی یک جہتی کی تحریک سمجھ کر ان کے خلاف سخت کارروائی کی اور بالآخر زبانوں کی یہ مصنوعی تقسیم اس علاقہ کے عوام کو ایک دوسرے سے الگ کرنے میں کامیاب ثابت ہوئی۔ بنگسن نے ۱۹۶۸ء میں اس پالیسی کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا تھا کہ اس کے نتیجہ میں قومی اور نسلی یک جہتی کا تصور کمزور ہوتا گیا، اور پچھلے پانچ برسوں میں اس کی جگہ مذہبی یگانگت کا تصور اُبھر رہا ہے، لیکن اسی کے ساتھ اب ان علاقوں میں

بسنے والے لوگ اپنے آپ کو ازبک، ترکمان، تاتار وغیرہ سمجھنے لگے ہیں۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال کے ایک اور پہلو کا ذکر کر دیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ سوویت روس کے مسلمان اپنی موجودہ حالت سے مطمئن ہیں کیونکہ روسی سامراج یورپین سامراجی نظام سے مختلف ثابت ہوا ہے، اور اس نے اپنے محکوم اقوام کی مادی اور ثقافتی ترقی کے لیے قابل قدر اقدام کیے ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں اقوام متحدہ کے اقتصادی کمیشن نے وسط ایشیا میں روسی پالیسی کے اثرات پر جو رپورٹ شائع کی تھی اس میں اگر ایک طرف اس علاقہ کی خوشحالی کی تردید کی گئی تھی تو دوسری طرف اس کا اعتراف بھی کیا گیا تھا کہ اس علاقہ کے لوگوں کا معیار زندگی ان سے ملحق دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں بہتر ہوا ہے۔ ایک برطانوی مبصر کرنل جیوفری وہیلر (COL. GEOFFERY WHEELER) کا کہنا ہے کہ: "اس بات پر سب متفق ہیں کہ وسط ایشیا کی اقتصادیات میں عظیم تبدیلی آئی ہے اور سوویت روس کے مسلمانوں کو اس بات کی شکایت کا بہت کم موقع دیا گیا ہے کہ ان کی حالت بہتر بنانے کے لیے حکومت نے اقدامات نہیں کیے ہیں۔ ان علاقوں میں خواندگی کی شرح ۹۰ فی صد ہو چکی ہے جب کہ ۱۹۱۷ء میں یہ شرح صرف ۲ فیصد تھی اور اس وقت تک ترکی میں بھی صرف ۴۵ فیصد لوگ خواندہ ہو سکے ہیں۔

سوویت روس کے مسلم علاقوں کی اقتصادی ترقی میں اشیاء کی دستیابی اور روس کے دوسرے علاقوں سے اس کے رہن سہن میں فرق کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ وسط ایشیا میں اگر فی کس آمدنی دوسرے علاقوں کے مقابلہ میں کم ہے تو اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ان علاقوں میں خاندان عام طور پر بڑے ہوتے ہیں۔ شہروں کی آبادی میں تیز رفتاری سے ترقی نہ ہونے کی وجہ سے بے روزگاری اور مکانوں کی قلت کے مسائل نہیں پیدا ہوئے ہیں۔ دراصل وسط ایشیا کے مسلمان دیہاتوں کو چھوڑ کر شہروں میں آباد ہونا پسند نہیں کرتے جس کی وجہ سے روس کے صنعتی علاقوں میں جہاں زیادہ لوگوں کی ضرورت ہے ان کو منتقل کرنا ایک مسئلہ بن گیا ہے۔

مقامی زبانوں اور ثقافتی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کے سلسلہ میں روسی حکومت کا رویہ یہ رہا ہے کہ مقامی جمہوریتوں کی سرکاری ملازمتوں میں اکثریت مقامی باشندوں پر مشتمل ہوتی ہے حالانکہ پارٹی کے کارکنوں اور اعلیٰ عہدوں پر روسی رکھے جاتے ہیں جو مقامی کارکنوں کی علاقائیت کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی سوویت پالیسی پر کسی قسم کی نکتہ چینی برداشت نہیں کی جاتی۔

اب تک جو جائزہ پیش کیا گیا ہے کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ روس کے مسلمان اب روسی نظام میں جذب ہو چکے ہیں؟ — دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں کریمیا کے تاتاری مسلمانوں نے روسی نظام کی سخت مخالفت کی تھی، لیکن اسٹالن نے ۱۹۴۴ء میں انھیں وسط ایشیا، یورال اور سائبیریا میں منتقل کر دیا، جہاں سے اب تک وہ اپنے وطن واپس آنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ اسی طرح والگا کے کنارے بسے ہوئے تاتاری اور بشکیریائی چاروں جانب سے روسیوں سے گھرے ہوئے ہیں اور قزاقستان کے باشندے خود اپنی مملکت میں اقلیت بن چکے ہیں لہذا ان کے لیے اب آزادی کا تصور بھی مشکل ہو گیا ہے۔ اس کے بالمقابل جنوبی علاقوں مثلاً تاجکستان، ازبکستان، ترکمانیہ اور آذربائیجان کے مسلمان اور آرمینیا اور گارجیا کے عیسائی ابھی تک اپنے آپ کو روسیوں سے مختلف سمجھتے ہیں، اور یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ علاقے ہمیشہ روس کے زیرنگیں رہیں گے۔ آبادی میں اضافہ کے تناسب سے بھی اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے۔ مسلمانوں میں اضافہ آبادی کا تناسب یورپین علاقوں کے مقابلہ میں تقریباً دُگنا ہے اور خود روسیوں میں اضافہ آبادی کی شرح تقریباً برائے نام رہ گئی ہے، لہذا روس کو اپنی صنعتی ترقی اور فوجی قوت کو برقرار رکھنے کے لیے انہی لوگوں پر انحصار کرنا پڑے گا۔ اس کے اشارے بھی ملے ہیں کہ مسلم آبادی والے علاقوں میں تعلیم کے فروغ کے ساتھ روسیوں کے لیے ملازمتوں اور ترقی کی راہیں مسدود ہونے کی وجہ سے ان علاقوں میں بسنے والے روسی اب واپس جانے لگے ہیں۔

نسلی اور علاقائی تفریق کی ہمت افزائی کا نتیجہ چند مہینوں قبل آذربائیجانی اور دوسری قومیتوں کے باشندوں کے درمیان فساد کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ یہ فسادات اس قدر شدید تھے کہ روسی حکومت کو انھیں دبانے کے لیے فوج کا استعمال کرنا پڑا۔ یہ خبر بھی آئی ہے کہ فسادات کے دوران آذربائیجانی لوگوں نے اسلامی پرچم استعمال کیا اور روسی حکومت کے خلاف نعرے لگائے۔ ایک دوسری خبر کے مطابق ایشیائی علاقوں میں روسی سرکاری کارکن اپنے کو غیر محفوظ سمجھنے لگے ہیں اور روسی علاقوں میں ان کی واپسی کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔

اسلام سے روسی مسلمانوں کی وابستگی پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اشتراکی حکومت کے قیام کے بعد اسلامی تعلیمات پر عمل کے سلسلہ میں جو رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی ہیں اس کے نتیجے میں یہ امید کرنا عبث ہے کہ وہ اسلام سے اپنی وابستگی کا کھلم کھلا اظہار کر سکیں، لیکن روسی حالات کے مبصر

اس پر متفق ہیں کہ مسلمان اب بھی ختنہ، نکاح اور تدفین میں اسلامی رسوم کی پابندی کرتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ خبریں موصول ہو جاتی ہیں کہ مشترکہ فارموں کے منیجر عید الاضحیٰ کے موقع پر سرکاری ملکیت کی بھیڑیں مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں جب روسی فوجوں میں شامل کچھ مسلم فوجیوں کی لاشیں قزاقستان کے صدر مقام الماعطا (Alma ata) کو واپس لائی گئیں تو روسیوں نے انھیں فوجی اعزاز کے ساتھ روسی قبرستان میں دفن کرنے کا فیصلہ کیا جس کی وجہ سے ایک ہنگامہ برپا ہو گیا کیونکہ مقامی لوگوں کا مطالبہ یہ تھا کہ یہ فوجی مسلمان تھے لہذا انھیں مسلمانوں کی طرح انھیں کی قبرستان میں دفن کیا جانا چاہیے۔ بالآخر روسیوں کو مقامی آبادی کے مطالبہ کو ماننا پڑا۔ روسی حکومت کی اسلام دشمن کارروائیوں سے بھی لوگوں کی اسلام دوستی پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ روس نے ۱۹۸۳ء میں انچاس (۴۹) اسلام مخالف کتابیں شائع کیں جب کہ ۱۹۸۱ء اور ۱۹۸۲ء میں ان کی تعداد علی الترتیب ۲۱ اور ۲۸ تھی۔ جولائی ۱۹۸۲ء تاشقند میں ایک خفیہ پریس کا پتہ چلایا گیا جس میں اسلامی لٹریچر کی طباعت کی جارہی تھی۔ ازبکستان کے شہر نما گاؤں میں جون ۱۹۸۴ء میں اسلامی مطبوعات شائع کرنے والے ایک ایسے زیر زمین ادارہ کا انکشاف ہوا جس کی شاخیں تاشقند تک پھیلی ہوئی تھیں۔ روسی اخبارات میں شائع خبروں میں بتلایا گیا تھا کہ اس ادارے نے مقامی زبانوں کے علاوہ عربی میں بھی کتابیں چھاپ کر فروخت کی تھیں جن کی تعداد کم از کم ۲۰۰۰ تھی۔ اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عربی زبان اور رسم الخط کی بیخ کنی کے باوجود اس کی تعلیم خفیہ طور پر گھروں میں دی جاتی ہے، مارچ ۱۹۸۵ء میں اسلامی تعلیم و تربیت کے لیے تیار کردہ کیسٹ ضبط کرنے کی خبر روسی اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔

اسلامی طرز زندگی پر روسی مسلمانوں کے اب تک قائم رہنے کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ ان کے خاندان متحد ہوتے ہیں جن کے بزرگوں کی عزت کی جاتی ہے۔ زیادہ بچوں کو وہ معیوب ہونے کے بجائے مستحسن سمجھتے ہیں۔ شہروں میں رہنے والے روسی مسلمانوں نے مغربی لباس اور روسی زبان کو قبول کیا ہے لیکن وہ گھروں میں اپنی مادری زبان ہی استعمال کرتے ہیں اور روسیوں سے ازدواجی تعلقات قائم کرنا پسند نہیں کرتے۔ روسی حکومت نے مسلم علاقوں میں مذہبی معاملات کی دیکھ بھال کے لیے کئی بورڈ قائم کر دیے ہیں جن کا کام حکومت کی پالیسیوں کی حمایت کرنا اور غیر ملکی مہمانوں کو یہ یقین دلانا ہے کہ روسی مسلمان اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں آزاد ہیں لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ان مذہبی اداروں کے سربراہ

کلیتاً روسی حکومت کے آلہ کار کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ وہ اس بات کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ روسی حکومت سے مسلمانوں کی وفاداری کے عوض کچھ نہ کچھ سہولتیں بھی حاصل کرلیں، چنانچہ ان کی کوششوں سے کئی کئی مسجدیں واگذار کی گئی ہیں۔ سرکاری مذہبی اداروں کے اکثر کارکن عربی زبان پر عبور رکھتے ہیں کیونکہ انھوں نے جامعہ ازہر، مراکش، لیبیا یا دمشق میں تعلیم حاصل کی ہے۔ ان علماء نے مزاروں پر حاضری دینے، زکوٰۃ جمع کرنے اور اس قسم کے کچھ دوسرے مذہبی اعمال کے خلاف فتاویٰ جاری کیے ہیں لیکن حکومت کے دباؤ کے باوجود انھوں نے ابھی تک سلوک و تصوف کے خلاف کوئی بیان دینے سے احتراز کیا ہے۔ یہ علماء اشتراکیت کے خلاف بات کہنے سے احتراز کرتے ہیں بلکہ اس کے بجائے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اشتراکیت اسلامی تعلیمات کا ہی ثمرہ ہے۔ روسی حکومت کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر جریدہ "مسلمان اور مشرقی سویت" میں کوہ قاف کے مذہبی بورڈ کے صدر نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ "سویت سائنس نے انسانی علم کی ترقی میں اہم مقام حاصل کر لیا ہے اور انسانی آزادی، مساوات، اخوت اور مختلف اقوام کے درمیان دوستانہ تعلقات کو فروغ دیا ہے۔ یہ سب قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے حاصل ہوا ہے۔" الحاد کے مبلغین اکثر یہ شکایت کرتے رہتے ہیں کہ مذہبی علماء روسی اقلیتوں کے درمیان خصوصاً شمالی کوہ قاف، وسطی ایشیا اور قزاقستان کے عوام کو اسلام کے نام پر متحد ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔

علماء کا ایک اجتماع شمالی کوہ قاف میں ۱۹۸۵ء میں منعقد ہوا تھا جس میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ اشتراکیت کا وجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ اس اجتماع میں علماء نے اس نظریہ کے جواز میں قرآن کریم کی آیتوں کا حوالہ پیش کیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام ایک ترقی پسند مذہب ہے، اور اشتراکیت کے اصول قرآن اور حدیث سے اخذ کیے گئے ہیں۔ الحاد روس کی سرکاری پالیسی کا ایک اہم جزو ہے، روس کے علماء اسے شرک یا کفر کہنے کے بجائے "جاہلیت" سے تعبیر کرتے ہیں گویا کہ یہ اسلام کے آنے سے قبل کا نظریہ ہے اور وقت کے ساتھ یہ دور گزر جائے گا۔

اسی طرح روس کی مسلم جمہوریتوں کے سیاسی قائدین اپنے آپ کو روسی کمیونسٹ پارٹی کا نمائندہ ظاہر کرنے کے بجائے عوام کا نمائندہ کہلانا پسند کرتے ہیں۔ (پارٹی کی نمائندگی کی ذمہ داری عام طور پر ان کمیونسٹ لیڈروں اور افسروں کے سپرد کر دی جاتی ہے جو پارٹی یا حکومت میں کسی اہم منصب

پر فائز ہوتے ہیں)۔

مقامی لیڈر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا کام روسی حکومت سے اپنے عوام کے لیے زیادہ سے زیادہ مراعات اور اختیارات حاصل کرنا ہے۔ اس طرح مذہبی اور سیاسی رہنما مختلف نظریات رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو عوام سے قریب رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاید وہ اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ حکومت کے استبداد کا مقابلہ کرنے کے لیے انھیں سویت سماج کی پیدا کردہ سیاسی تنظیم سے ہی فائدہ اٹھانا ہوگا۔ چنانچہ وہ اپنی قومی اور اسلامی شخصیت کو برقرار رکھنے کے لیے انہی تنظیموں سے کام لے رہے ہیں۔ چنانچہ پچھلے چند برسوں میں انھوں نے اپنی قومی جمہوریتوں اور مرکزی حکومت میں اپنے جائز مقام کو حاصل کرنے کے لیے خاصی جدوجہد کی ہے۔ آذربائیجانی کامریڈ گیدار علیو (GAYDAR ALIEV) نے روس کے وزیر داخلہ کا عہدہ حاصل کر کے روسی حکومت کی طاقت ور پولیس اور خفیہ محکمہ کے۔ بی۔ جی (K.B.G) کے سربراہ کی حیثیت سے روسیوں کے لیے ایک تشویشناک مثال قائم کر دی ہے۔

روسی مسلمانوں میں ابھی تک اپنے آپ کو روسیوں سے مختلف اور خود کو ترک کے ساتھ مسلمان سمجھنے کا جذبہ فنا نہیں ہوا ہے۔ ان میں روز بروز یہ خیال مستحکم تر ہوتا جا رہا ہے کہ وہ نسلی اور تہذیبی اعتبار سے روسیوں سے مختلف ہیں اور ان کے مفادات بھی مختلف ہیں۔ اس لیے یہ دعوی صحیح نہیں ہے کہ روس ان ایشیائی اقوام کو اپنی ثقافت میں جذب کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس کے برعکس روسیوں اور غیر روسی محکوم اقوام خصوصاً ایشیائی باشندوں کی آبادی کا تناسب بڑھنے کے ساتھ روس مخالف جذبات میں ترقی کی امید کی جا سکتی ہے۔

موتمر المصنفین کی علمی ادبی اور دلچسپ تاریخی پیش کش

جو پاکستان کے اہم دینی جرائد کے علاوہ عالم اسلام کے مرکز علمی دارالعلوم دیوبند کے ماہنامہ ترجمان "دارالعلوم" میں بالاقساط شائع ہوئی

ارباب علم و کمال اور پیشۂ رزق حلال

تصنیف: مولانا عبدالقیوم حقانی

اپنے موضوع پر اردو زبان میں سب سے پہلی منفرد اور لاجواب شاہکار
موچیوں، کسانوں، چرواہوں، دستکاروں، صنعت کاروں، تاجروں، کاریگروں، پارچہ بافوں، درزیوں
دھوبیوں، قصابوں، روغن سازوں، حلوائیوں، صیقل گروں، ریشم سازوں، لوہاروں، بڑھیوں، ٹھٹھیاروں
اور مزدوروں کے طبقوں اور پیشوں سے تعلق رکھنے والے علماء، فضلاء، محدثین، مفسرین،
مشائخ اور ائمہ اسلام کا تذکرہ و تعارف

خوبصورت جلد بندی۔ صفحات ۲۲۴۔ قیمت ۴۲/- روپے

موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
پشاور (پاکستان)